وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا

یہ تہذیبی تصادم نہیں صلیبی جنگ ہے!

مولانا ابو محمد یاسر

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

یہ تہذیبی تصادم نہیں، صلیبی جنگ ہے!

مولانا ابو محمد یاسر

ادارۂ حطین

نامِ کتاب	یہ تہذیبی تصادم نہیں، صلیبی جنگ ہے!
نامِ مؤلف	مولانا ابو محمد یاسر
تعداد	۱۰۰۰۰
تاریخِ اشاعت	شعبان ۱۴۳۰ھ
ناشر	ادارۂ حطین
قیمت	

امریکی مجلّے 'فارن افیئر ز' نے ۱۹۹۳ء میں سیموئیل ہنٹنگٹن کا مقالہ ''تہذیبوں کا تصادم'' چھاپا جو بعد ازاں کتابی صورت میں شائع ہوا۔ یہ مقالہ مستقبل میں اہلِ کفر کی جانب سے اسلام پر ہونے والی یلغار سے متعلق ایک واضح اشارہ تھا۔ بالخصوص جب کہ اس مقالے میں یہ لکھا گیا تھا کہ:

''مغربی تہذیب کا سب سے بڑا حریف اسلام ہے''۔

مقالہ نگار نے یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ مستقبل کی جنگیں تہذیبی عوامل کی بنیاد پر لڑی جائیں گی۔ اس مقالے کے مندرجات کی اہمیت اس لیے اور بڑھ جاتی ہے کہ ہنٹنگٹن کوئی عام مقالہ نگار نہیں بلکہ ہاورڈ یونیورسٹی کا ''پروفیسر ہنٹنگٹن'' ہے اور امریکی پالیسی ساز اداروں کے یہاں اس کا خاص مقام ہے۔ عین اس وقت جب مغرب کے زرخیز دماغ اپنی تہذیب اور اسلام کے درمیان پیش آنے والے (یک طرفہ!) تصادم یعنی جنگ کی نقشہ گری کر رہے تھے، بدقسمتی سے ہمارے یہاں کے ''دانش ور'' اور ''مفکرین'' ان ارادوں کو محض ایک ''واہمہ'' قرار دیتے ہوئے ''تہذیبوں کے مابین مکالمے'' کی دعوت دینے میں مصروف نظر آتے تھے۔

ان صاحبان کے نزدیک تہذیبی تصادم کی بات ہی فضول تھی کیونکہ ''تہذیبوں'' کے مابین تصادم تو ہو ہی نہیں سکتا، تہذیبیں آپس میں نہیں ٹکراتیں بلکہ لڑتی تو بدتہذیبی سے بدتہذیبی ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ بعض دینی تحریکوں کی جانب سے بھی ایسی ہی صدائیں اٹھنا شروع ہوگئیں کہ تہذیبوں کے درمیان مکالمے اور ہم آہنگی کا فروغ ضروری ہے۔ اور کچھ نام نہاد مفکرین نے تو اس فکر کا پرچار کرتے کرتے دین کے اساسی عقائد میں بھی دانستہ و نادانستہ تحریف کر ڈالی۔ اسی عرصے میں ہم نے ''بین المذاہب ہم آہنگی کا فروغ''، ''نظریہ عدم تشدد''، ''پرامن بقائے باہمی''، ''ہمارے مسیحی بھائی'' اور ''ملتِ ابراہیمی برائے تقاربِ ادیانِ ثلاثہ'' جیسی اصطلاحات کا غوغا سُنا۔ ایک طرف ہمارے دانش ور حضرات یہ ساری ''خدمات'' انجام دینے کی سعیٔ نامشکور میں مشغول تھے اور دوسری طرف ہمارا دشمن ''(یک طرفہ!) تہذیبی تصادم'' کو اس لفظ کے مکمل معنوں میں برپا کر دینے کی تیاّری میں مصروف تھا۔ خلیج پر ۹۱ء کے صلیبی حملے اور اس کے کے بعد عراق پر اقتصادی پابندیوں کے ذریعے دس لاکھ معصوم بچوں اور دیگر کئی لاکھ مسلم مرد و زن کا قتل ہماری آنکھیں کھولنے کیلئے کافی تھا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ کویت کی نام نہاد آزادی محض بہانہ تھا، اصل ہدف یہی

تھا کہ ایک بار پھر عالمِ اسلام کے عین قلب میں اہلِ کفر مورچہ بند ہو جائیں۔حق تو یہ ہے کہ صاحبانِ بصیرت نے نیوورلڈآرڈر سامنے آتے ہی یہ کہہ دیا تھا کہ یہ ایک نئی اور ہمہ جہت صلیبی جنگ کا آغاز ہے۔

مغرب کی قیادت اس جنگ کو صلیبی جنگ کے طور پر لڑ رہی ہے!

گیارہ ستمبر۲۰۰۱ء کے بعد کی مہمات اور افغانستان وعراق پر امریکی قبضہ اسی صلیبی جنگ کا تسلسل ہے،اور جو لوگ اس صلیبی مہم کو مجاہدین کی کارروائیوں کا ردِعمل قرار دیتے ہیں،ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے ایک تجزیہ نگار کا اتنا سا تبصرہ کافی ہے:

''خودرحمی اور خود مذمتی کے مرض میں مبتلا لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے گیارہ ستمبر کو امریکا کی تجارتی اور دفاعی علامتوں کو نشانہ بنایا،ایسا نہ ہوتا تو مغرب ہم پر کیوں چڑھ دوڑتا؟ ایسے لوگوں کی لاعلمی اور کم علمی افسوسناک بلکہ شرمناک ہے۔سوال یہ ہے کہ کیا بہادر شاہ ظفر نے لندن پر حملہ کر دیا تھا جو انگریز پورے برصغیر پر چڑھ دوڑے؟ کیا الجزائر کے مسلمانوں نے پیرس کو تہہ و بالا کر دیا تھا جو فرانس الجزائر پر قابض ہو گیا؟ کیا مسلمانوں نے جرمنی،ہالینڈ،پرتگال،اور اٹلی کے خلاف کوئی جنگ برپا کی تھی کہ وہ پورے مشرقِ وسطیٰ اور افریقہ پر قابض ہو گئے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں تھا۔اہلِ مغرب کا شعور اپنی نہاد میں اتنا مجرمانہ ہے کہ وہ اپنی کسی حرکت کے لئے کسی جواز کا محتاج نہیں''۔

مسلمانوں کے خلاف صدیوں کا صلیبی بغض وعناد،افغانستان وعراق کی عام آبادی پر ٹام ہاک اور ڈیزی کٹر برسانے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا۔وہاں پر کٹھ پتلی مرتد حکمرانوں کی تعیناتی آخر کیا معنی رکھتی ہے؟ اس سوال کا جواب امریکی صدر بش کی زبان سے سننا چاہیں تو وہ یہ ہے کہ یہ ایک صلیبی جنگ ہے۔امریکی طاغوت بش نے ۲۰۰۱-۹-۱۶ کو ایک صحافتی نشست میں یہ بات کہی تھی کہ:

"This crusade, this war on terrorism is going to take a while."

اسی طرح امریکی مجلّے نیشنل ریویو نے لکھا:

''محض ان حملوں کی منصوبہ بندی کرنے والے ہی مجرم نہیں بلکہ نیویارک اور واشنگٹن پر حملوں کی خبر سن کر جن کے چہروں پر مسکراہٹ آئی تھی،وہ تمام لوگ مجرم ہیں۔ہمیں ان کے ملکوں پر حملہ کر کے ان کی قیادت کو ہلاک کرنا ہوگا''۔

طاغوتِ اکبر امریکہ کے فرعون بش نے ''صلیبی جنگ'' کے یہ الفاظ 'امارتِ اسلامیہ افغانستان' پر حملے سے فوراً پہلے کہے تھے۔ مطلوب تو یہ تھا کہ بش کی ناپاک زبان سے یہ اعلانِ جنگ سنتے ہی اسلامیانِ عالم خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاتے لیکن....

''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!''

مسلمانوں کی بڑی تعداد نے اس موقعے پر بھی اپنی روایتی غفلت نہ چھوڑی جب کہ منافقین نے امریکی طاغوت کے اس جملے کو اتفاقی قرار دے کر ٹال دیا۔ حالانکہ ماہرینِ نفسیات یہ کہتے ہیں کہ عام حالات میں بھی زبان کا پھسلنا اتفاقی امر نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ اس کا کوئی نہ کوئی نفسیاتی پس منظر ہوتا ہے۔ یہاں پر بھی یہ نفسیاتی پس منظر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عیاں ہوتا گیا:

﴿ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَ مَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ (ال عمران ۱۱۸)

جارج بش کے سابق اٹارنی جنرل ایش کرافٹ نے اسلام اور عیسائیت کے تصورِ خدا کا موازنہ کیا اور عیسائیت کے تصورِ خدا کو برتر ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس سے پہلے اٹلی کا وزیرِ اعظم برلسکونی بھی کہہ چکا تھا کہ

''مغربی تہذیب اسلامی تہذیب سے برتر ہے اور اس نے جس طرح کمیونزم کو شکست دی ہے، اسی طرح اسلامی تہذیب کو بھی شکست دے گی''۔

بش نے ایک دوسرے موقعے پر کینیڈین فوجیوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے یہی جملے دہرا کر ثابت کیا کہ وہ اپنے کہے ہوئے حرف حرف پر یقین رکھتا ہے۔ اس نے کہا:

''آیئے اور ہمارے شانہ بشانہ اس صلیبی جنگ میں شامل ہو جایئے''۔

بنابریں رابرٹ فسک نے اپنے ایک مقالے میں لکھا:

''یوں معلوم ہوتا ہے کہ صدر بش فی الواقع خود کو صلیبی جنگ کا قائد سمجھ رہے ہیں، ایک دفعہ متنبّہ کیے جانے کے باوجود دوبارہ 'کروسیڈ' کا لفظ بولنا یہی ظاہر کرتا ہے''۔

مغربی صلیبی قیادت کے یہ چند بیانات ہی اس باب میں ان کے ''شعور'' کا پتہ دیتے ہیں۔

حقیقت میں عالمِ اسلام پر مسلّط کردہ صلیبی جنگ کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ گزشتہ نصف صدی تک کفر کی آلہ کار مرتد حکومتوں کے ذریعے اپنے مقاصد کی تکمیل کے بعد، ایک بار پھر براہِ راست سامراجی

قبضے کا آغاز ہو چکا ہے۔ صلیبی افواج ہمارے بحر و بر اور فضاؤں میں آزادانہ نقل و حرکت کر رہی ہیں حتیٰ کہ عالمِ اسلام کے قلب 'جزیرۂ عرب' میں کفّار کے لشکر نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں تاکہ 'عظیم تر اسرائیل' کا قیام ممکن ہو سکے۔ لیکن یہ ساری یلغار محض عسکری نہیں بلکہ فکری اور ثقافتی بھی ہے۔ باگرام اور گوانتانامو میں قرآنِ مجید کی مسلسل بے حرمتی، ابوغریب میں مسلمان قیدیوں کی تذلیل، مغربی اخبارات میں توہینِ رسالت پر مبنی خاکوں کی اشاعت، ویٹی کن کے پوپ اور دیگر نصرانی پادریوں کی طرف سے ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں گستاخی، یہ سارے واقعات اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' درحقیقت ''اسلام کے خلاف جنگ'' ہے۔ اس ساری مہم میں امّت کی تہذیبی و عقائدی شناخت کو مسخ کرنا، اسلامی بیداری کی تحریکوں کو ملیا میٹ کرنا اور امّت کے قیمتی وسائل کو ہڑپ کرنا ہی ان کے بنیادی اہداف ہیں۔ اور مجاہدین چونکہ اس جنگ میں امّت کی طرف سے ''خطِ اوّل'' پر کھڑے ہیں لہٰذا ''باطل کے سارے تیروں کا رخ'' انھی کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔

صلیبی جنگوں کا تاریخی تسلسل

تاریخ کا مطالعہ انسانی فہم کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ مطالعہ اگر خالصتاً علمی بنیادوں پر، دقّتِ نظر کے ساتھ کیا جائے تو تاریخی واقعات کی تہہ میں پوشیدہ اسباب وعوامل کا سُراغ لگایا جا سکتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے بار بار تاریخی واقعات کے حوالے دے کر ان پر غور و فکر کا حکم دیا ہے۔ لیکن یہ بات قابلِ افسوس ہے کہ معاصر مسلمانوں میں سے بہت کم لوگ تاریخی شعور سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ جو لوگ تاریخ کے طالب علم ہونے کے مدّعی ہیں ان میں سے بھی اکثر کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی ملّت کی تاریخ سے زیادہ مغربی تاریخ پر عبور رکھتے ہیں۔ ایک بڑے طبقے نے اپنی تاریخ جاننے کے لئے بھی مغربی [صلیبی] اہلِ قلم کو پڑھا ہے چنانچہ واقعات و حوادث کو بھی ان کی عینک سے دیکھنے کی عادت میں مبتلا ہیں۔

فرانس سے حطین تک....

قرونِ اولیٰ میں مجاہدینِ اسلام کے ہاتھوں شام و شمالی افریقہ کی فتوحات نے نصرانیوں کے دل بُغض و عناد سے بھر دیئے تھے۔ اس اسلام دُشمنی میں کلیسا نے بنیادی کردار ادا کیا کیونکہ ایک تو اُس کے مفادات اپنے نصرانی نوابوں اور بادشاہوں سے وابستہ تھے۔ دوسرے اسلامی فتوحات نے یورپی عقل کو کلیسائی

خرافات سے آزادی دلانے میں جو کردار ادا کیا تھا اس کا اہلِ کلیسا کو بہت رنج تھا۔انتقام میں انھوں نے اسلام کے خلاف خوب زہریلا پروپیگنڈا کیا اور عام نصرانیوں کے اندر اسلام اور مسلمانوں سے تعصّب کُوٹ کُوٹ کر بھر دیا۔

۴۸۹ھ [۱۰۹۵ء] میں پوپ اربن دوئم نے فرانس میں پادریوں کے ایک جمِّ غفیر سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''اسلام شیطانی مذہب ہے اور اس کے ماننے والے ایک شیطانی مذہب کے ماننے والے ہیں لہٰذا ہمارا یہ فرض ہے کہ اس شیطانی مذہب اور اس کے پیروکاروں کو روئے زمین سے نابود کر دیں''۔

اس کے بعد اس نے پورے یورپ کو ایک پرچم تلے جمع ہونے اور (بیت المقدس کی آزادی کے لئے) مسلمانوں کے خلاف ''صلیبی جنگ'' کی ابتدا کرنے کی دعوت دی، تمام یورپی اقوام صرف تین سال کے اندر ایک کمان میں جمع ہوئیں اور دارالاسلام پر حملہ آور ہوگئیں۔شام کی سلجوقی سلطنت نے آگے بڑھ کر اس وحشی ہجوم کا راستہ روکا چنانچہ یہ اولین حملہ اپنے مطلوبہ اہداف کی تکمیل میں ناکام ہوگیا۔چند سال بعد دوسرا اور نسبتاً زیادہ منظّم حملہ کیا گیا لہٰذا اس میں انھیں کچھ کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔۴۹۱ھ میں وہ انطاکیہ میں داخل ہوئے جہاں سے انھوں نے بیت المقدس کا رخ کر لیا اور ۴۹۲ھ میں وہاں پہنچ گئے، اس کے بعد ۴۹۴ھ میں حیفا، ۴۹۷ھ میں عکّا، ۵۰۳ھ میں طرابلس، اور ۵۰۴ھ میں صیدا یکے بعد دیگرے نصرانیوں کے ہاتھوں تاراج ہوتے گئے۔صلیبیوں کی یہ کامیابیاں دراصل مصر کے مرتد فاطمی حکمرانوں (سلاطینِ عبیدیہ) کی مرہونِ منت تھیں جنھوں نے سنّی سلجوقی سلطنت کے خلاف اس شرط پر صلیبیوں کا ساتھ دیا کہ سلجوقی سلطنت کے خاتمے کے بعد شام کے علاقوں میں انھیں بھی حصّہ دیا جائے گا۔

اس کے بعد تیسرا حملہ کیا گیا تاکہ عالمِ اسلام میں صلیبی نفوذ کو مستحکم کیا جائے لیکن اب کی بار مسلمانوں کے مختلف جہادی مجموعوں اور سلطنتِ آلِ زنگی کے مجاہدین نے آگے بڑھ کر انھیں روکا۔ مسلمانوں اور صلیبیوں کے ان معرکوں میں کبھی ایک فریق کا پلڑا بھاری رہتا اور کبھی دوسرے کا تاوقتیکہ ۵۸۳ھ میں صلاح الدین ایوبیؒ نے حطّین کی جنگ میں اہلِ صلیب کی کمر توڑ کے رکھ دی۔مگر یہ فیصلہ کن معرکہ تب ہی جیتا جا سکا جب صلاح الدین ایوبیؒ نے داخلی دشمن (فاطمی سلطنت) کو پہلے ہی جڑ سے اکھاڑ

دیا تھا۔ صلیبی ریاستوں کو جنگوں کی ایسی چاٹ لگی کہ اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً ان کی یورش جاری رہی لیکن ہر دفعہ انھیں مسلمان حکومتوں اور غیر حکومتی جہادی مجموعوں کی جانب سے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ انھی معرکوں میں سے ایک میں سلطان ظاہر الدین بیبرس نے شاہِ فرانس لوئی نہم کو اس کے ہزاروں سپاہیوں سمیت قید کرلیا۔

اٹھارویں وانیسویں صدی کی صلیبی جنگ

ان ذلت آمیز شکستوں کے بعد اہلِ صلیب نے عالم اسلام کے بارے میں اپنی حکمت عملی میں بنیادی تبدیلیاں کیں۔ چنانچہ طویل سوچ بچار کے نتیجے میں، تقریباً چھے صدیاں بعد نئی دنیائیں اور نئے بحری تجارتی راستے تلاش کرنے کے بہانے عالمِ اسلام کے گرد گھیرا تنگ کر دیا گیا۔ ان میں مشہور ترین سفر ''واسکوڈی گاما'' کا تھا۔ جس کے اختتام پر یہ کہا گیا کہ ''ہم نے عالمِ اسلام کی گردن میں رسی ڈال دی ہے۔ اب صرف اسے کھینچنا باقی ہے'' اور بعد میں ہوا بھی یہی۔ وہ دور جسے استبداد نے ''نوآبادیاتی دور'' کا نام دیا تھا دراصل صلیبی جنگوں ہی کا تسلسل تھا۔ اٹھارہویں صدی میں یورپ کی وحشی اقوام تہذیب کا لبادہ اوڑھ کر اپنے اپنے جغرافیوں سے نکلیں اور دیکھتے ہی دیکھتے طاقت کے بہیمانہ استعمال اور سازشوں کے سہارے کم وبیش پورے عالم اسلام پر مسلط ہو گئیں۔ بیسویں صدی کی اسلامی دنیا کا منظر نامہ یہ تھا کہ الجزائر پر فرانسیسی صلیبی قابض تھے، اسلامی ہند، اور خلیج کی مسلم ریاستیں برطانیہ کی غلامی میں تھیں، لیبیا پر اٹلی کا قبضہ تھا، ملائشیا پر ہالینڈ کا تسلط تھا، جب کہ ماوراء النھر کا علاقہ آرتھوڈوکس صلیبیوں کے ہاتھوں مقبوضہ تھا۔ اس استبدادی دور کے تسلط کے محرکات بھی محض صنعتی وتجارتی نہ تھے بلکہ پس منظر میں اہلِ صلیب کے مذہبی عقائد پوری طرح کارفرما تھے۔ اسلامی ہندوستان پر صلیبی قبضے کے بعد برطانوی پارلیمنٹ میں یہ آوازیں اٹھائی گئیں کہ قدرت نے ہمیں ہندوستان میں یسوع مسیح کا دین پھیلانے کا موقع دیا ہے۔

ان حملوں کو کلیسائی قیادت کی طرف سے لامحدود معاونت حاصل تھی۔ جن میں سرِ فہرست 'پادری نکولائی پنجم' تھا جو ان جنگوں کی مذہبی حیثیت پر پوری طرح یکسو تھا۔ ارضِ شام پر قبضہ کرنے کے بعد نصرانی جرنیل ایلن بی نے صلاح الدین ایوبیؒ کی قبر پر تلوار مار کر کہا تھا: ''دیکھو صلاح الدین! ہم دوبارہ آ گئے''۔

استبدادی دور میں صلیب کے پجاریوں نے طاقت کے ساتھ ساتھ تہذیبی وفکری محاذ پر بھی خوب محنت

کی، مستشرقین کا گروہ پیدا ہوا جس نے اسلام اور مسلمانوں پر رکیک حملوں کو ''علمیت'' میں ڈھال دیا، مسلم معاشرے کو جدید اور قدیم کی بنیاد پر دو نیم کر دیا گیا۔ اس طرح اہلِ صلیب کو مسلم دنیا میں پہلی بار ایسے لاکھوں غلام میسر آ گئے جو ''بر بنائے دلیل'' غلامی پر مطمئن ہی نہیں خوش تھے۔ (برصغیر میں اس طبقۂ غلاماں کے سرخیل، سر سید احمد خان نے انگریزوں کے جابرانہ اور ظالمانہ تسلط کو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی ''رحمت'' قرار دیا، مجاہدین کو ''نمک حرام'' کہا، اور اکابرینِ ملت کی توہین کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا)۔

اکیسویں صدی کی صلیبی جنگ، ایک ہمہ گیر یلغار

۱۹۹۱ء میں کویت پر سے قبضہ چھڑانے کے بہانے عراق پر امریکی حملہ بلا شبہ معاصر صلیبی جنگوں کا نقطۂ آغاز تھا۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ گیارہویں صدی میں صلیبی حملہ آوروں کا شعور مکمل طور پر نصرانی تھا لیکن عصرِ حاضر میں نصف نصرانی اور نصف سیکولر ہے۔ اب نصرانیت، سرمایہ دارانہ سیکولر تہذیب کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے گھوم رہی ہے۔ خلیج پر صلیبی حملے کے دوران میں امریکی و اتحادی فوجیں مشرقِ اسلامی میں آ کر مورچہ زن ہو گئیں۔ خطے میں ان کی موجودگی اہلِ صلیب کے لئے اولاً: بھرپور سیاسی و معاشی فوائد کا باعث تھی۔ ثانیاً: اس حملے کی پشت پر صلیبی تعصب برابر کارفرما تھا جس کا اندازہ عراق کے بنیادی ڈھانچے کو تباہ کرنے، وہاں کے مسلمانوں کی نسل کشی اور شمالی عراق میں تبلیغِ نصرانیت کے اقدامات سے بخوبی ہوتا ہے۔ یومِ تفریق (گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء) کے مبارک حملوں کے بعد امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر امارتِ اسلامیہ افغانستان پر چڑھائی کا اعلان کر دیا۔ افغانستان کے مسلمانوں پر تمام قسم کے گولہ بارود (بشمول کیمیاوی و تابکاری اسلحے) سے وحشیانہ بمباری کرنے میں ذرا تامل نہیں کیا اور بالآخر ایک ننگِ دین و وطن مرتد کو افغانستان کا حکمران بنا کر مسلط کر دیا۔ امریکہ اس جنگ میں اکیلا نہیں، بلکہ ایک بار پھر تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے، اور **الکفر ملة واحدة** کے مصداق سارا عالمِ کفر اور مرتد حکمران اس جنگ میں امریکا کے ساتھ ہیں۔ افغانستان کے بعد عراق پر بھی جارحیت مسلّط کر دی گئی۔ پھر اہلِ کفر کے اس عالمی گٹھ جوڑ نے ساری دنیا کی جہادی تحریکوں کو اپنا دشمنِ اوّل قرار دیا۔ بات صرف ''القاعدہ'' کی نہیں، بلکہ فلپین سے شیشان تک تمام جہادی تحریکیں کفر کے نشانے پر ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ دشمن کا اصل ہدف کوئی مخصوص گروہ نہیں بلکہ امّت کی رگوں میں دوڑنے والا خون ہے۔ عالمی کفر یہی چاہتا ہے کہ امّتِ مسلمہ بھیڑوں کا گلّہ بن کر رہ جائے، ان کی عزتیں پامال ہوتی رہیں،

علاقے چھینے جاتے رہیں، مقدس مقامات اور شعائرِ دین کی بے حرمتی ہوتی رہے، لیکن یہ اف تک نہ کرے، وگرنہ اسے ایک ''دہشت گرد امّت'' گردانا جائے گا جس کو ملیا میٹ کرنا اہلِ کفر کا ''بنیادی حق'' ہے۔ اسلام اور مسلمانوں پر اہلِ مغرب کی [صدیوں سے جاری] صلیبی یلغار ایک نئے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ یہ صلیبی جنگ اتنی ہمہ جہت ہے کہ دین کا ہر شعبہ اور اس کے خدمت گار اس کی لپیٹ میں آگئے ہیں۔ بقول ایک صاحبِ نظر کے:

''صلیبی مغرب کی نظر میں وہ مسلمان بھی دہشت گرد ہے یا ان کا ہمدرد ہے جو کسی ریستوران میں جا کر پیپسی کی بجائے لیمن سوڈا طلب کرتا ہے''۔

گیارہ ستمبر سے اب تک کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو اسلام اور مسلمانوں سے صلیبی مغرب کی نفرت میں ایک برق رفتار ''ارتقاء'' نظر آرہا ہے۔ اس رات نشانے پر اگر امیر المومنین ملاّ محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ اور شیخ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ تھے تو اب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی، براہِ راست نصرانی بغض وعناد کی زد میں ہے۔ پہلے اگر ''دہشت گرد'' (مجاہدین) خطرہ تھے تو اب ہر ''انتہا پسند'' (دین دار مسلمان) بھی ایک مسئلہ ہے، گیارہ ستمبر کی رات اہلِ مغرب کا مسئلہ صرف ''جہاد'' تھا لیکن اب انھیں اسکارف بھی ایک ہتھیار نظر آرہا ہے۔ غرض یہ کہ اب وہ مسلمانوں سے بڑھ کر ان کے ایمان اور طاقت کے سرچشموں پر حملہ آور ہو چکے ہیں۔ فی الجملہ یہ جنگ اسلام اور اسلامی تہذیب کے جملہ مفاہیم کو مسخ کرنے کے لیے برپا کی گئی ہے۔

موجودہ صلیبی ذہنیت کو سمجھنا ضروری ہے!

ہوسکتا ہے کہ بعض حضرات کے لیے باعثِ تعجب ہو کہ ہم نے اس جنگ کو صلیبی یلغار قرار دیا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں میں کمزور حافظے کے مالک حضرات ابھی تک اس خیال کی جُگالی میں مصروف ہیں کہ مسئلہ موجودہ امریکی قیادت اور اس پر حاوی نوقدامت پرستوں اور یہودی لابی کا ہے۔ جارج بش ایک کاؤبوائے ہے، نوقدامت پرست یہودیوں کے زیرِ اثر ہیں اور یہودی، مسلمانوں اور عیسائیوں کو آپس میں لڑانا چاہتے ہیں اور بَس۔ ہمارے ہاں کے مغرب زدگان کے نزدیک تو ''مذہبی جنگ'' کا تصور ہی دقیانوسی ہے اور یہ قرونِ وسطیٰ میں تو پایا جاسکتا ہے لیکن موجودہ ''متمدّن مغربی اقوام'' کی لغت میں یہ لفظ سرے سے ہے ہی نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغربی دنیا میں مذہبی اور سیکولر دونوں حوالوں سے اسلام پر حملوں کی روایت بہت

پرانی ہے۔ کیرن آرمسٹرانگ نے اپنی تصنیف 'مقدس جنگ' میں اعتراف کیا ہے کہ:

''صلیبی جنگ اگرچہ صدیوں پرانی بات ہے لیکن مغربی ذہن پر اس کا اتنا گہرا اثر ہے کہ آج بھی اہم بین الاقوامی تنازعات کے سلسلے میں یہی ذہنیت بروئے کار ہے، خاص طور پر مسلم اسرائیل تنازعے کو مغربی ذہن صلیبی عینک سے دیکھتا ہے''۔

ہمارے معاشرے میں ایسے لوگوں کی بھی کوئی کمی نہیں جو اس فکری حماقت میں مبتلا ہیں کہ جارج بش کی زبان سے ''کروسیڈ'' کا لفظ نکلنا ایک اتفاقی امر ہے اور امریکہ کا اصل مسئلہ مسلمانوں کا تیل ہے۔ یہ لاعلمی اور سرسری طرزِ فکر کی انتہا ہے۔ بلاشبہ امریکہ کا مسئلہ مسلمانوں کا تیل بھی ہے لیکن امریکہ کی ہمہ گیر مہمات کو صرف تیل کے تناظر میں دیکھنا ایسی فکری سطحیت ہے جسے کسی طرح بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے نزدیک اس فلسفہ طرازی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ امّت کا دفاع کرنے والے ابنائے امّت کی بیداری میں تاخیر ہو رہی ہے جب کہ اس دوران میں کفر تیزی سے اپنے اہداف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ مزید کچھ لکھنے سے پیشتر اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ چاہے ہم اس جنگ کو ایک صلیبی اور مذہبی جنگ سمجھتے ہوں یا نہیں، موجودہ حالات میں مسلمانوں پر شرعی فریضہ یہی عائد ہوتا ہے کہ وہ کافروں کی جارحیّت بزورِ قوت روکیں:

﴿فَإِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُم كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (البقرۃ ۱۹۱)

''اگر یہ تم سے لڑیں تو تم بھی انھیں مارو، کافروں کا بدلہ یہی ہے''۔

جب حملہ آوروں کا ہدف اسلام ہے تو اسے مذہبی جنگ کیوں نہ سمجھا جائے؟

کفّار کے خلاف ہماری جنگ اگر دین کی خاطر اور دینی عوامل کی بنیاد پر لڑی جا رہی ہو تو ظاہر ہے کہ یہ 'دینی جنگ' کہلائے گی۔ اصطلاحِ شریعت میں اس کا نام جہاد ہے جس کا اصل مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ اس اعتبار سے ہمارے نزدیک اس بات کی کوئی خاص اہمیت نہیں رہتی کہ ہمارا مدِّ مقابل فریق یہ جنگ دینی بنیاد پر لڑ رہا ہے یا کسی اور بنیاد پر (مثلاً وطنیت، ہوسِ ملک گیری، یا سرمایہ داری نظام کے غلبے کے لئے وغیرہ وغیرہ)، یہ ایک ثانوی معاملہ ہے۔ اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ جنگ ہماری شریعت میں ایک 'دینی فریضہ' ہے۔ مثلاً تاتاریوں کے خلاف ہماری دفاعی جنگ 'دینی جنگ' تھی۔ اگرچہ وحشی تاتاری کسی مذہب یا تہذیب کے علم بردار نہیں تھے، ان کا مقصد لوٹ مار اور قتل و غارت گری ہی تھا۔ لیکن

ان کے مقابلے میں اپنے جان و مال اور عزّت کا دفاع ہمارا شرعی فریضہ تھا لہٰذا ہم اسے 'دینی جنگ' کا نام دیں گے۔ بنابریں، اسلام کی نظر میں جنگ ہمیشہ دینی ہی ہوتی ہے اور شریعت ہی اس کی حدود و قیود کا تعین کرتی ہے۔ بعینہٖ اگر ہمارا دشمن بھی دینی بنیاد پر لڑ رہا ہو تو پھر دونوں ہی فریقوں کے اعتبار سے یہ ایک دینی جنگ کہلائے گی چنانچہ ایسی تمام جنگیں جو یہود و نصاریٰ یا بت پرست مشرکین کے خلاف لڑی گئیں اسی ذیل میں آتی ہیں۔ موجودہ جنگ کا ہدف یہی ہے کہ امّت کے ایمان وقوّت کے سرچشموں کو کمزور کر دیا جائے تا کہ سرمایہ دارانہ جمہوریت، لبرل ازم اور سیکولرزم کو امت پر مسلط کیا جا سکے، اسلام بھی نصرانیت کی طرح سرمایہ دارانہ تہذیب کا تابع مہمل بن کر رہ جائے۔ بلا شبہ اہل مغرب کو 'بدھ مت' کنفیوشس ازم، ہندومت سے تو خطرہ نہیں، بلکہ اگر کوئی حقیقی خطرہ ہے تو وہ اسلام ہی سے ہے کیونکہ وہ یہ بات جانتے ہیں کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو مغلوبیت کا درس نہیں دیتا، لہٰذا اسلام اور اہلِ صلیب کے درمیان تصادم اور جنگ ناگزیر ہے۔

بعض لوگ عراق پر قبضے کے معاملے میں اہلِ مغرب کے باہمی اختلافات کا حوالہ دیتے ہوئے یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ ان کی نوعیت اساسی نہیں ہے، انھیں زیادہ سے زیادہ حکمتِ عملی یا مفادات کے اختلافات قرار دیا جا سکتا ہے۔ البتہ جہاں تک بنیادی اہداف کا تعلق ہے، ان میں اہلِ کفر پوری طرح متحد ومتفق ہیں۔ صلیبی یورپ کی بوسنیا کے مقابلے میں سربوں کی پشت پناہی، افغانستان پر قبضے میں نیٹو کی بھرپور شرکت اور عراق پر کفری سلامتی کونسل کی متفقہ قرارداد جس میں عراق پر امریکی قبضے کو قانونی جواز فراہم کیا گیا تھا، اس سلسلے کی واضح مثالیں ہیں۔ یہی معاملہ امریکہ کے داخلی سیاست دانوں کا بھی ہے۔ ری پبلکن بش 'مذہبی کروسیڈر' ہے تو ڈیموکریٹ جان کیری 'سیکولر کروسیڈر' تھا۔ (دونوں کے بیانات ان کی اسلام دشمنی پر غماز ہیں)۔ بش اور برطانوی وزیرِ اعظم ٹونی بلیئر کے بیانات سامنے آ چکے ہیں، جس میں وہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ جنگ خدا کی ہدایت پر شروع کی ہے۔ اور تاریخ ہی ہمارے اس فیصلے کو جانچے گی۔

اس سارے تناظر میں.... دوسری جانب مومنینِ صادقین کا ہراول دستہ اس جنگ میں دشمن کے مقابلے میں جہاد کر رہا ہے۔ مجاہدین فی سبیل اللہ اور محاربین فی سبیل الطاغوت کے درمیان اس جنگ کی حیثیت 'دینی جنگ' کے سوا اور کیا رہ جاتی ہے؟

گیارہ ستمبر کے حملوں کے بعد امریکی صدر بش نے کانگریس میں ۳۴ منٹوں کی تقریر کی جس میں اسے

۲۹ دفعہ تالیوں کے شور کی وجہ سے اپنی بات روکنا پڑی۔ تقریر میں اس نے ’دہشت گردی کے خلاف اعلانِ جنگ‘ کیا۔ اس نے طالبان کی طرف سے نافذ کردہ شرعی احکام مثلاً پردے کی پابندی کرانا، موسیقی اور اختلاطِ مرد و زن کی اجازت نہ دینے وغیرہ کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا۔ جب کہ اندھا بھی جانتا ہے کہ یہ شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے احکام ہیں نہ کہ ملاّ عمر کی ذاتی شریعت کے۔ پس اسے اسلام کے خلاف جنگ نہ کہیں تو اور کیا کہا جائے؟!

اگرچہ بش نے ایک سے زائد مرتبہ اس جنگ کو صلیبی جنگ قرار دیا ہے اور اس کے بہت سے گماشتے بھی اسلام سے اپنے بغض و عناد کو ظاہر کرتے رہتے ہیں، تاہم ہم اتنے سادہ لوح نہیں کہ محض ان کے بیانات کی وجہ سے اسے صلیبی جنگ قرار دے دیں بلکہ اس جنگ کے صلیبی جنگ ہونے کا دار و مدار تین باتوں پر ہے۔

اوّلاً: اس جنگ میں ہمارا مدمقابل گروہ نصرانی ہے، احادیث میں ان کے لئے ’’رومیوں‘‘ کی اصطلاح بھی استعمال کی گئی ہے۔

ثانیاً: اس جنگ کے بنیادی محرکات میں ان کا دین بھی شامل ہے۔

ثالثاً: پورے عالم میں اور ہر طرف ان کا ہدف اسلام اور مسلمان ہیں، کفر سے برسرِ جہاد تحریکیں ہیں، شریعت کو غالب کرنے والی اسلامی حکومتیں ہیں: مثلاً؛ افغانستان اور صومالیہ وغیرہ۔

اس جنگ میں امریکہ کی قیادت ایک نو قدامت پرست پروٹسٹنٹ نصرانی گروہ کو حاصل ہے۔ جن کے مذہبی عقائد میں عظیم تر اسرائیل کا قیام، مسیح کی آمدِ ثانی کے لیے لازمی ہے۔ عوام میں بھی ان کی عظیم اکثریت ہے لہٰذا اس جنگ میں اہلِ مغرب کا کوئی ایک گروہ نہیں بلکہ ان کے مذہبی و سیاسی طبقے بھی یکساں جوش و جذبے سے شریک ہیں۔ نصرانی دنیا کے مذہبی رہنماؤں کی قولی و فعلی معاونت اس جنگ کے شرکاء کے ساتھ ظاہر و عیاں ہے، مسلم امّت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس جنگ کے ساتھ اسی بنیاد پر معاملہ کریں چاہے کفار اس جنگ کتنا ہی حسین اور جاذبِ نظر عنوان دے لیں۔ مثلاً اقدار کی بحالی کی جنگ، آزادیوں کے تحفظ کی جنگ، دہشت گردی کے خلاف جنگ وغیرہ۔

اصطلاحات کی جنگ

مذہب اور جنگ کا یہ باہمی تعلق امریکی شعور میں جس گہرائی تک پیوست ہے اس کا نمایاں ترین مظہر

وہ اصطلاحات ہیں جو اہلِ مغرب اس جنگ کے دوران میں استعمال کر رہے ہیں۔اس جنگ کے بارے میں دیگر جتنے بھی الفاظ برتے جا رہے ہیں وہ سب صلیبی لٹریچر کا حصّہ ہیں مثلاً بدی سے مقابلہ، عدلِ مطلق، خیر وشر کی جنگ وغیرہ وغیرہ۔ان اصطلاحات میں بدی اور شر کہہ کر مسلمان مراد لیے گئے۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ امریکی شعور میں دین عبارت ہے عہد نامہ قدیم (تورات) اور عہد نامہ جدید (انجیل) سے۔صہیونی یہودیت اور صہیونی مسیحیت کا یہی غلیظ اتحاد ہے جو خلیجی جنگ کے دوران میں کھل کر سامنے آ گیا، جب یہ بھی کہا جانے لگا کہ یہ جنگ دراصل ''ہرمجدون'' کی تیاریوں کی ایک کڑی ہے۔ ہرمجدون یا Armageddon نصرانی عقیدے کی رو سے مستقبل میں ایک مقدس جنگ ہے جو ''بت پرستوں'' اور نصرانیوں کے مابین ہو گی۔(واضح رہے کہ نصرانی، کنعانیوں یعنی مسلمانوں کو بت پرست کہتے ہیں)۔''ہرمجدون'' کے تصور کا نصرانی فکر پر اثر بہت گہرا ہے۔اس لیے جب بش نے ''کروسیڈ'' کا لفظ بولا تو نہ وہ عالمِ خواب میں تھا اور نہ اس نے یہ بات بھولے سے کہی تھی بلکہ اس نے امریکی ضمیر میں پنہاں خیالات ہی کو آشکار کیا تھا۔ جہاں تک اُن کے ایسے بیانات کا تعلق ہے کہ اسلام اور دہشت گردی دو علاحدہ علاحدہ چیزیں ہیں، تو وہ فقط مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے جس کا مقصد ایک تو یہ ہے کہ امّت کے سارے طبقات اس جنگ کے بارے میں انتشارِ فکری کا شکار رہیں اور اکثریت خاموش تماشائی بنی رہے۔ دوسرے یہ کہ کفر کے آلہ ءکار، مرتد حکام کو ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' میں اپنی خدمات پوری تندہی سے انجام دینے کا موقع مل سکے۔عالمِ مغرب بخوبی جانتا ہے کہ اس کی کفری تہذیب کے سامنے اصل چیلنج صرف اسلام ہے اور مجاہدین، اسلام کا حصنِ حصین ہیں۔

حقیقت میں جب امریکی اور اُن کے اتحادی یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ وہ 'اسلام' کے دشمن نہیں تو اس سے مراد 'اعتدال پسند امریکی اسلام' ہوتا ہے نہ کہ اصل دینِ اسلام۔اس اسلام کو ماڈریٹ اسلام کہا جاتا ہو یا روشن خیال اعتدال پسندی، دراصل یہ دورِ جدید کا دینِ اکبری ہے۔جس میں امریکی بارگاہ میں کورنش بجا لانا ہی عبودیت کی معراج ہے۔اسلام میں جو مقام رضائے الٰہی کو حاصل ہے، اس ماڈریٹ مذہب میں وہی مقام (معاذ اللہ) امریکی خوشنودی کو دے دیا گیا ہے۔ یہاں پر امریکی طاقت کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں بلکہ اس کی بالا دستی کو شرعی لبادہ پہنانا ہی عین کارِ ثواب ہے۔ جب کہ اس کے برعکس جو اسلام توحید اور کفر بالطاغوت کی دعوت دیتا ہے، جو یہودی ریاست کے ناجائز وجود کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے، عالمِ اسلام کے قلب سے یہود و نصارٰی کے اخراج کی دعوت دیتا ہے۔آج پورا عالمِ مغرب ببانگِ دہل

پکار رہا ہے کہ اس اسلام کے ساتھ ہمارا 'تہذیبی تصادم' ہے۔

اصطلاحات کی اسی جنگ کا شکار وہ بیمار اذہان بھی ہیں جن کے ''فتوے'' امریکی فوج میں شامل ''کلمہ گوؤں'' کو مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شرکت پر کوئی روک ٹوک نہیں کرتے بلکہ انھیں اجر کا مستحق ٹھہراتے ہیں۔قطر کے سرکاری مفتی یوسف قرضاوی صاحب کے فتوے پر نظر ڈالیے جو انھوں نے افغانستان میں اسلام کے خلاف برسرِ جنگ ''کلمہ گو'' امریکی فوجیوں کے ''حق'' میں دیا:

"...فإننا نرى ضرورة البحث عن الفاعلين الحقيقين لهذه الجرائم، وعن المشاركين فيها بالتحريض والتمويل والمساعدة، وتقديمهم لمحاكمة منصفة تنزل بهم العقاب المناسب الرادع لهم ولأمثالهم من المستهينين بحياة الأبرياء وأموالهم والمروعين لأمنهم...... وهذا كله من واجب المسلمين المشاركة فيه بكل سبل ممكنة ...... والخلاصة أنه لا بأس إن شاء اللّٰه على العسكريين المسلمين من المشاركة في القتال في المعارك المتوقعة ضد من يظنّ أنهم يمارسون الارهاب أو يؤوون الممارسين له ويتيحون لهم فرص التدريب والإنطلاق من بلادهم، مع استصحاب النية الصحيحة !! على النحو الذى أوضحناه، دفعاً لأى شبهة قد تلحق بهم في ولائهم لأوطانهم ...."

''....ہمارے نزدیک ان جرائم (گیارہ ستمبر کے مبارک معرکوں!) کے حقیقی ذمہ داران تک پہنچنا بہت ضروری ہے۔اور جو افراد بھی ان جرائم کے لیے ابھارنے،اموال فراہم کرنے،اور مدد فراہم کرنے کے لحاظ سے شریک تھے،انھیں انصاف کے کٹہرے میں لاکر معقول سزا دلوانے کی ضرورت ہے۔ایسی سزا جو انھیں اوران جیسے بے گناہ افراد کی جان و مال سے کھیلنے اوران کا امن وسکون تباہ کرنے والوں کے لیے عبرت انگیز ہو۔مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس عمل میں ہرممکن طریقے سے شریک ہوں....حاصلِ کلام یہ ہے کہ اس بات میں ان شاءاللہ کوئی حرج نہیں کہ (امریکی فوج میں شامل) مسلمان فوجی ایسے تمام متوقع معرکوں میں شامل ہوں جو ان لوگوں کے خلاف لڑے جائیں گے جو مبیّنہ طور پر خود دہشت گردی کروارہے ہیں یا ایسے لوگوں کو پناہ دیتے ہیں یا انھیں تربیت دیتے ہیں یا اپنی سرزمین سے کارروائیاں کرنے کی اجازت دیتے

ہیں۔ یہ خیال رکھتے ہوئے کہ ان کی نیت وہی ہونی چاہیئے جو (آغاز میں) ہم بیان کر چکے ہیں۔ (امریکی فوجیوں کے لئے یہ اس لئے جائز ہے) تاکہ اپنے ملک سے ان کی وفاداری شبہے سے بالاتر رہے...''

مندرجہ بالا فتوے پر ڈاکٹر یوسف قرضاوی، ڈاکٹر محمد العوا، فہمی ہویدی، ڈاکٹر ھیثم الخیاط، اور طارق البشری کے دستخط موجود ہیں۔ ۲۷ ستمبر ۲۰۰۱ء کو دیئے جانے والے اس فتوے کی اصل عبارت انگریزی ہے۔ عرب اخبارات میں یہ افغانستان پر امریکی حملے سے عین ایک دن قبل چھپا۔ امریکی محکمہ خارجہ کی طرف سے اس فتوے کا بھرپور خیر مقدم کیا گیا؛

پاسباں مل گئے'' کعبے سے'' صنم خانے کو....... **والعیاذ باللّٰه.**

کلیسا اس جنگ میں غیر جانبدار کل تھا نہ آج!

استبدادی دور میں بھی نصرانیت یورپ، امریکہ، مشرقِ بعید غرض ہر جگہ حکومت کے دستِ راست کے طور پر کام کرتی رہی۔ اس نے ہر اس جرم کا مذہبی جواز فراہم کیا جس کا ارتکاب یورپی حکمرانوں نے کیا۔ مسلمانوں کو قتل و غارت، لوٹ مار اور سفاکیت کا نشانہ بنانے والے ہر استبدادی لشکر کا مذہبی پیش رو کسی نہ کسی چرچ کا نمائندہ ہی ہوتا تھا اور بالکل جس طرح ایونجلیکل پادری امریکی فوجوں کی عراقی اور افغان کارروائیوں کا جواز پیش کر رہے ہیں اسی طرح کیتھولک اور پروٹسٹنٹ پادریوں نے استبدادی مہمات کی پشت پناہی کی۔ (یاد رہے کہ ایونجلیکلز امریکا کی بجرنگ دل ہے۔ یہی وہ فرقہ ہے جس کے پادری ان دستوں کی قیادت کرتے تھے جو نہتے سرخ ہندیوں کی بستیوں پر حملہ آور ہوتے تھے۔ جب سرخ ہندی مردوں کے زندہ جسموں سے ان کی کھال اتاری جاتی تھی، جب ان کی عورتوں کو اجتماعی بدکاری کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ جب ان کے بچوں کو آگ میں بھونا جاتا تھا، یہ ایونجلیکل پادری حضرت عیسیٰ [علیہ السلام] کو بھینٹ دینے کی رسوم منعقد کرتے اور بائبل کی تلاوت کرتے تھے)۔

آج ان ایونجلیکلز کے جانشین عراق اور افغانستان میں اپنے پرکھوں کی تاریخ دہرا رہے ہیں۔ قرونِ وسطیٰ کی صلیبی ذہنیت کی تشکیل کرنے والا کلیسا، جس نے اس وقت بیت المقدس پر قبضہ کرنے کو ''جنت'' میں داخلے کا پروانہ قرار دیا تھا، آج ایک بار پھر مغربی کفر کو یہ باور کرا رہا ہے کہ ''یہ جنگ امریکی اقدار کی فتح کے لیے ہے اور اعلیٰ انسانی اقدار مثلاً حریت، مساوات، ترقی وغیرہ سخت خطرے میں ہیں، لہٰذا اس مقدس

جنگ میں خدا اُن کے ساتھ ہے''۔

عالمِ مغرب کی حکومتی پالیسیوں پر کلیسائی تعلیمات کی چھاپ تو ہے ہی، معاشرتی سطح پر بھی اس کا عکس دیکھنا مشکل نہیں۔ خلیج پر ۱۹۹۱ء کے اتحادی صلیبی حملے کے دوران میں برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کی آبادیوں میں دیواروں پر لکھا ہوتا تھا کہ ''عراق میں مرنے والے ہر برطانوی فوجی کے بدلے میں ہم دو مسلمان بچے قتل کریں گے''۔ گیارہ ستمبر سے لے کر آج تک، مغرب میں مقیم مسلمانوں کو جو تعصب اور تنگ نظری بھگتنا پڑ رہی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ تقریباً سارا عالمِ مغرب 'اسلام فوبیا' کا شکار ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ''دہشت گردی'' کے خلاف اس جنگ کو پورے صلیبی مغرب کی غیر مشروط حمایت حاصل ہے۔

صہیونی عیسائیت

ہم جانتے ہیں کہ اسلام کے خلاف یہود کی عداوت شدید ترین ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا.... ﴾ ''یقیناً آپ ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے''۔

ہمارا پورا تاریخی تسلسل اس بات پر شاہد ہے کہ یہود اسلام کے خلاف بغض وعناد، سازشوں اور مہمات کے سرغنے رہے۔ اپنے خطرناک منصوبوں کے ذریعے شجرِ اسلام کی بیخ کنی میں پیش پیش رہے، در پردہ رہ کر دینِ حق کے خلاف فتنہ پردازیاں کرتے رہے۔ لیکن یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ ان سازشوں کو عملی جامہ پہنانے میں نصاریٰ کا کردار بہت نمایاں رہا ہے۔ اگر یہود اہلِ ایمان سے سب سے اشدّ عداوت رکھتے ہیں تو نصاریٰ اہل اسلام کے خلاف قتال میں سب سے زیادہ سرگرم رہے ہیں۔

اہلِ کتاب سے ہماری جنگوں کی تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ ہماری اکثر جنگیں نصاریٰ کے خلاف تھیں۔ جنگِ خلیج کے دوران میں بعض مورخین کی تحقیق اخبارات میں شائع ہوئی کہ گزشتہ ۱۴۱۰ سالوں میں مسلمانوں اور رومیوں میں ہونے والی جنگوں کی کل تعداد ۳۶۰۰ ہے۔ درحقیقت ایک مختصر مدت کے سوا ہر دور ہی میں ہماری ان سے آویزش رہی ہے جب کہ گزشتہ چودہ صدیوں میں یہود کے خلاف براہِ راست معرکہ آرائی، دورِ نبوی کے بعد اب جا کر فلسطین میں یہودی قبضے کے بعد ہوئی۔ لیکن نصاریٰ کے ساتھ ہماری جنگ آج تک جاری ہے اور احادیثِ مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے اور ہمارے مابین یہ جنگیں قیامت تک رہیں گی۔

فلسطین میں صہیونی ریاست کا قیام بھی نصاریٰ ہی کا شاخسانہ ہے۔شاید اس حقیقت پر غور وخوض کرنے کے نتیجے میں ہم نصرانیوں کے بارے میں اپنا اندازِ فکر ٹھیک کرسکیں، اور یہ جان لیں کہ وہ ہمارے ''مسیحی بھائی''، نہیں جیسا کہ بعض سادہ لوحوں کا گمان ہے، بلکہ ہمارے دشمن نصرانی کفار ہیں۔جو اپنے عقائد کی بناء پر اپنا اولین دشمن اسلام اور مسلمانوں کو گردانتے ہیں اور تاریخی اعتبار سے ہمیشہ یہود کی خلافِ اسلام سازشوں میں ان کے ساتھی اور آلہ ءکار بنے رہے ہیں، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾

(المائدة ۵۱)

''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں''۔

یہ لازم ہے کہ یہود سے ہماری نفرت، ان کے حلیف نصرانیوں کے ناپاک کردار پر پردہ نہ ڈال دے۔صلیبی جنگوں کے اصل سرخیل نصاریٰ ہیں۔وہ ہمیشہ سے ہمارے دشمن ہیں، اور جنگ آزما بھی۔ اس حقیقت پر ماضی کی تاریخ شاہد ہے۔صلیبی جنگوں سے لے کر استبدادی دور تک کی تاریخ سب کے سامنے ہے۔نیز بلقان، عراق، افغانستان، پر ان کی چڑھائی بھی کوئی دور کی بات نہیں۔عالمِ عرب میں اسرائیل کا ناسور بھی برطانوی صلیبیوں کی پیداوار تھا جب کہ اس ناجائز وجود کی پرورش کی ذمّہ داری امریکی صلیبیوں نے اٹھائی۔ان سبھی تک تحریف شدہ مسیحیت ایک یہودی 'پال' کے توسط سے پہنچی۔اس لحاظ سے مسیحیت میں یہود کی نقب زنی کا آغاز بہت پہلے ہو چکا تھا۔اور مسیحیت کی موجودہ مسخ شدہ شکل یہود ہی کی سازشوں کا پختہ ثمر ہے۔یہ تحریف مسلسل جاری ہے۔مسیحیت میں یہود کی آخری بڑی نقب زنی کی جڑیں سولہویں صدی میں ملتی ہیں جب پروٹسٹنٹ فرقے کا ظہور ہوا جو عہد نامہ ءقدیم (تورات) کی تمام پیشین گوئیوں پر یقین رکھتا ہے اور ان کی تکمیل کیلئے کوشاں بھی ہے۔اس وقت ان کی کوششیں درج ذیل اہم اہداف پر مرتکز ہیں:

۱) دریائے نیل سے لے کر دریائے فرات تک کے علاقے میں عظیم تر اسرائیل کا قیام اور دنیا بھر کے یہود کو وہاں لا بسانا۔

۲) خیر کی قوتوں (یہود و نصاریٰ) اور شر کی قوتوں (مسلمانوں) کے مابین ایک عظیم جنگ ''ہرمجدون'' برپا کرنا اور اس سے پہلے اس کی تیاری۔

۳) مسجدِ اقصیٰ کا انہدام اور اس کی جگہ یہودی ہیکل کا قیام۔

برطانوی نصرانیوں کے ذریعے یہودی ریاست کا قیام دراصل ہرمجدون ہی کی طرف ایک پیش رفت تھی۔ اس صہیونی صلیبی گٹھ جوڑ کی بازگشت عالمِ مغرب میں صاف سنائی دیتی ہے اور امریکہ نے اسرائیل کو بھرپور مدد دیتے رہنے کا خواہ اس کی جو بھی قیمت ہو، تہیہ کر رکھا ہے اور یہ جنگ اب نظریات وعقائد کی جنگ میں بدل چکی ہے۔ اور اس جنگ کا اصل مرکز مشرقِ اسلامی جب کہ بنیادی مسئلہ القدس ہے۔ جدید صلیبی جنگوں میں یہود اور اہلِ صلیب بنیادی طور پر جس نکتے پر اکٹھے ہیں وہ اہلِ اسلام کی بیخ کنی ہے۔ اُن کا یہ اتحاد نظریاتی، سیاسی اور اقتصادی بنیادوں پر قائم ہوا ہے۔ صہیونی ریاست کے ایک سابق صدر نے کہا تھا کہ اس وقت دنیا کو سب سے بڑا خطرہ اسلامی بنیاد پرستی سے درپیش ہے اور اسرائیل اسلامی بیداری کی تحریکوں کے مقابلے میں عالمِ مغرب کی اقدار کے تحفظ کی جنگ لڑ رہا ہے۔ صلیبی مغرب کے لیے اسلام ایک آسیب بن چکا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی تہذیب اور توسیع پسندانہ استبدادی لائحہ عمل کے راستے میں اصل رکاوٹ بجائے خود دینِ اسلام ہے۔

کرنے کا کام کیا ہے؟

اس پورے منظرنامے کا جائزہ لینے کے بعد، کرنے کا کام کیا ہے؟ کیا محض حالات کی تجزیہ نگاری، اور بس؟ ہرگز نہیں، بلکہ اس دگرگوں حالت کو تبدیل کرنے کی سعی کرنا ہمارا فرض ہے۔ امّتِ مسلمہ اس وقت اپنی تاریخ کے کڑے دور سے گزر رہی ہے، ہم اس امّت کا حصہ ہیں، ہماری ذمّہ داری بنتی ہے کہ اپنے دین وملت پر اہلِ صلیب کی اس یلغار کا منہ موڑ دیں، اور اپنی امّت کی پیشانی سے ذلت ورسوائی کے داغ دھونے کی خاطر آگے بڑھیں۔ فلسطین سے لے کر افغانستان تک مقبوضہ مسلم علاقوں کو بازیاب کرائیں، امارتِ اسلامیہ کی بحالی اور خلافت کو قائم کرنے کے لیے جہاد کا علم اٹھائیں۔ امّت کے دفاع کے لیے ''خطِ اوّل'' میں کھڑے مجاہدین کی پشتیبانی کریں کہ یہ ہمارے اور ان کے مابین موجود ایمانی رشتے کا اولین تقاضا ہے۔

المختصر قرآن وسنت کو صدقِ دل سے رہنما ماننے والوں کو بھرپور طور پر میدانِ کارزار میں اترنا ہو گا۔ تاہم اس مقابلے کی بھرپور تیاری کرتے ہوئے تین بنیادی نکات مدِّنظر رکھنے ضروری ہیں۔

ا۔ ایک ہوں مسلم ’’کفر کو مار بھگانے کے لئے!‘‘

ماضی کے صلیبی حملہ آوروں نے بھی اپنی تاخت وتاراج کا نشانہ عام مسلمانوں کو بنایا تھا۔انھوں نے مجاہد اور غیر مجاہد میں کوئی تفریق نہیں کی تھی، کہ ایک کو پکڑ کر دوسرے کو چھوڑ دیا ہو۔اس صلیبی یلغار کی زد سے عزلت نشین زاہدانِ شب زندہ دار بھی نہیں بچ پائے تھے۔معاصر صلیبی بھی اپنے پیش رووں سے کچھ مختلف نہیں، جیسا کہ ٹائمز میں یہ بات چھپی تھی:

’’اعتدال پسندوں اور شدّت پسندوں میں کوئی بڑا فرق نہیں، وہ سبھی مسلمان ہیں‘‘۔[۱۹۹۲۔٦۔١٦]

اس لحاظ سے ان کے لیے سبھی ہدف ہیں، دینی مدارس سے لے کر جہادی تحریکوں تک، سب کفر کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکتے ہیں[ملاحظہ ہو رینڈ کارپوریشن کی دستاویز Muslim world after 9/11]۔یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ عالمی کفری طاقتیں ہر اس چیز کو مٹا دینے کے درپے ہیں جس کے ساتھ ’اسلامی‘ کا سابقہ ولاحقہ لگتا ہو۔

﴿وَ لَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا﴾

(البقرۃ:۲۱۷)

’’اور یہ (کافر) لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر مقدور رکھیں تو تمھیں تمھارے دین سے مرتد کر دیں‘‘۔

اس اعتبار سے، مسلم امت میں دین کے تحفظ اور غلبے کے لیے سرگرمِ عمل تحریکات کو اپنی ذمہ داریوں کا ادراک کرنا ہوگا۔ان سب طبقات وتحریکات کا امتحان یہی ہے کہ وہ صلیبی یلغار کے اس ہمہ جہت چیلنج کا کیا جواب دیتے ہیں؟ بلا مبالغہ اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے۔کیوں کہ مسلمانوں کے دین ودنیا کو غصب کرنے والے کفار کو بلادِ مسلمین سے باہر دھکیلنا اہم ترین فرضِ عین ہے۔

شیخ عبداللہ عزام شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب **الدفاع عن أراضي المسلمين أهم فروض الأعيان** میں رقم طراز ہیں:

’’سلف وخلف، چاروں فقہی مذاہب کے علماء، محدّثین اور مفسّرین، تاریخِ اسلامی کے تمام ادوار میں اس بات پر غیر مشروط طور پر متفق رہے ہیں کہ اگر کفار مسلمانوں کے کسی بھی علاقے میں گھس آئیں تو وہاں بسنے والوں اور ان کے قرب وجوار میں رہنے والوں پر جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ایسی حالت میں اولاد والدین کی، بیوی شوہر کی اور مقروض قرض خواہ کی اجازت کے

بغیر نکلیں گے۔ اگر دشمن کو پچھاڑنے کے لئے یہ سب لوگ ناکافی ثابت ہوں، یا یہ لوگ کوتاہی کریں، یا سستی سے کام لیں، یا بلا عذر بیٹھے رہیں تو یہ فرضیتِ عین دائرے کی شکل میں اگلے علاقوں تک پھیلتی جائے گی، پہلے سب سے قریب والوں کو اپنی لپیٹ میں لے گی، پھر ان سے قریب والوں کو۔ پھر اگر وہ لوگ بھی ناکافی ہوں یا کوتاہی کریں (اور مزید مجاہدین کی ضرورت برقرار رہے) تو فرضیت کا یہ دائرہ بتدریج آگے پھیلتا جائے گا یہاں تک کہ (ضرورت پڑنے پر) پوری زمین کے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا''۔

اس اہم ترین فریضے سے صرفِ نظر کر کے ضمنی اور جزوی کاموں میں مشغولیت غیر دانش مندی نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر دین وملت کے غم خوار ہی نہ اٹھے تو اور کون ہے جو کفر کی یلغار کا منہ موڑ سکے؟ چنانچہ ہم طالبانِ علومِ دینیہ سے لے کر دینی تحریکوں کے مخلص کارکنان تک، سب کو انتہائی دِل سوزی کے ساتھ یہ دعوت دیتے ہیں کہ اسلام اور کفر کی اس کھلی جنگ میں غیر جانبداری ترک کر دیں اور '' **وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى** '' کے حکمِ قرآنی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کم از کم ایک نکتے پر امت کو اکٹھا کریں کہ '**دفع العدوّ الصائل**' یعنی غاصب حملہ آور کو بلادِ اسلامیہ سے باہر نکالنا فرضِ عین ہے۔ اگر کسی کو مجاہدین کے بعض امور سے اختلاف بھی ہے تو بھی کم از کم کافرِ اصلی اور عدوِّ صائل کے خلاف جنگ کرنے کے لیے ہی میدان میں نکل آئیں۔ ہمارے اسلاف کا پورا علمی وفقہی ذخیرہ گواہ ہے اس ایک نکتے پر کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا۔ غاصب حملہ آوروں کو اپنے علاقوں سے نکالنے کے لیے جاری جہاد میں تعاون واشتراک کی کون کون سی جہتیں ہوسکتی ہیں سرِ دست اس تفصیل کا موقع نہیں تاہم اتنا ضرور کہیں گے کہ اس وقت ہم میں سے ہر فرد کو اپنے آپ سے یہ سوال ضرور کرنا چاہیے کہ میرے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ آیا بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھا رہنا یا پھر اگلی صفوں میں جا کر مجاہدین کے شانہ بشانہ لڑنا؟

۲۔ عالمی تحریکِ جہاد میں شرکت وتعاون

منہجِ جہاد، روز افزوں مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ الحمدللہ اس وقت دنیائے اسلام کی بہت سی جگہوں پر راست جہادی منہج کی حامل جماعتیں منظّم ہو چکی ہیں۔ اگرچہ مکانی اعتبار سے یہ تحریکات ایک دوسرے سے دور ہیں، لیکن اشتراکِ منہج اور فکری ہم آہنگی کی بنا پر یہ ایک دوسرے سے اس قدر مماثل ہیں کہ

اغیار نے ان سب کو 'القاعدہ و طالبان' کا نام دے رکھا ہے۔نام کا معاملہ اہم ہے بھی نہیں۔اللہ کے راستے میں، حق کی نصرت، قتال فی سبیل اللہ کے لئے طواغیت کے اثر سے 'آزاد' ہو کر جو بھی نکلے گا، اسے کوئی بھی نام دے دیا جائے وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہو گا، طائفہ منصورہ ہو گا۔اس 'طائفہ منصورہ' میں فکری وحدت کے ساتھ ساتھ، عملی اور حرکی اعتبار سے بھی قربت پیدا ہو جائے تو معاملہ گویا 'نور علیٰ نور' ہو جائے گا۔اس ضمن میں عالمی تحریکِ جہاد تو اپنی پوری توجّہ طاغوتِ اکبر کی بربادی کے لیے صرف کر رہی ہے اور کرتی رہے گی ان شاء اللہ۔تاہم دنیا بھر میں پھیلے ہوئے مجاہدین، اپنے مقامی حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے 'عالمی کفری اتحاد' کو ہر انداز میں زک پہنچانے کی کوشش کریں۔

۳۔امّتِ مسلمہ کی بیداری

اسلام اپنے ماننے والوں کو مغلوبیت کا نہیں، غلبے کا درس دیتا ہے۔اللہ کا دین شریعت کے غلبے اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کا حکم دیتا ہے، اور ساتھ ہی شرعی امارت و خلافت کے پاسداروں سے یہ تقاضا بھی کرتا ہے:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ ﴾ (التوبۃ ۲۹)

''جنگ کرو اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں سے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روزِ آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) اور نہ اُن چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول نے حرام کی ہیں، اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں، (اُن سے لڑو) یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں''۔

چنانچہ اہلِ مغرب پوری طرح ادراک رکھتے ہیں کہ اگر اسلامی بیداری کی لہر یونہی چلتی رہی (اور جہادی تحریک یونہی پروان چڑھتی رہی) تو دنیا کے نقشے پر اسلام کو ایک غالب قوت کے طور پر ابھرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔اِن شاء اللہ ایسا ہی ہو گا، بالخصوص جب کہ تہذیبِ مغرب اپنے داخلی فساد کے باعث بھی رو بہ زوال ہے۔یہی بات آج سے کچھ عرصہ پہلے فرانسیسی وزارتِ خارجہ کے ایک اعلیٰ افسر نے ان الفاظ میں کہی تھی:

''عالمِ اسلام ایک بندھا ہوا دیو ہے جو تا حال اپنے آپ کو پہچان نہیں پایا۔جس دن یہ دیو اپنی جہالت کی جکڑ بندی سے آزاد ہو گیا اس دن یہ مغربی تہذیب کے لئے ایسا خطرہ ثابت ہو گا جو اس سے دنیا کی قیادت چھین سکتا ہے''۔

عالمِ اسلام کے خلاف تہذیبی، عسکری، سیاسی، اقتصادی محاذوں پر جتنی سازشیں بھی ہو رہی ہیں اُن کی تہہ میں مغرب کا یہی خوف پوشیدہ ہے کہ کہیں یہ امت اپنا کھویا ہوا مقام پھر سے نہ حاصل کر لے۔ اہلِ مغرب اپنی ان سازشوں کو بڑے دل فریب عنوانات و اصطلاحات سے مزین کرتے ہیں تا کہ عامۃ المسلمین اس دام ہم رنگِ زمین کو نہ دیکھ سکیں۔

اس جہاد کو جاری رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ پوری امت مسلمہ کی حمایت اور قوت اس کے لیے مہیا کی جائے۔ بعض اندازوں کے مطابق مسلمانوں کی مجموعی آبادی تقریباً ایک ارب تیس کروڑ ہے اور ۲ء۲ فی صد سالانہ کے اعتبار سے بڑھ رہی ہے۔ دنیا میں یہ سب سے تیزی سے بڑھنے والی آبادی ہے اور اس میں ۳۰ سال سے کم عمر افراد کی تعداد تقریباً دو تہائی ہے جو کہ دنیا کے دیگر تمام ملکوں میں جوانوں کی مجموعی آبادی کے تناسب سے زیادہ ہے۔ مسلم اکثریتی علاقوں میں ایک ارب سے زیادہ مسلمان رہتے ہیں جب کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی اجتماعیت برِّ عظیم (پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش) میں ہے جہاں ان کی تعداد کم از کم ۵۰ کروڑ ہے۔ چین، روس اور یورپ میں تقریباً ۱۰ کروڑ مسلمان آباد ہیں جن میں سے نصف سے زیادہ آبادی چین میں ہے۔ اتنی بڑی امّت کے اندر سے محض چند ہزار لوگوں کی جہاد میں شرکت، چہ معنی دارد؟ اس معرکے کو جیتنے کے لیے ضروری ہے کہ امتِ مسلمہ کا سوادِ اعظم جہاد کی پشتیبانی کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔

غرض یہ کہ امت کو جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے دنیا کی امامت کے لئے بیدار کرنا، دشمنوں کے پھیلائے ہوئے پروپیگنڈے کا توڑ اور شبہات کا ردّ کرنے کے لیے بھرپور دعوتی و ابلاغی وسائل کو اختیار کرنا اس ضمن میں کرنے کے اہم کام ہیں۔

اگر ہم جہاد کا علم اٹھا لیں، ہماری صفوں میں اتحاد ہو اور امت ہماری پشتی بان ہو...تو یہ صلیبی جنگ، جنگ نہیں رہے گی بلکہ تاریخ ان حوادث کو صلیبی شکست کے نام سے یاد کرے گی۔ ان شاءاللہ!

و آخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين!

مطبوعاتِ حطین

☆کفار سے براءت کا قرآنی عقیدہ	مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ
☆مسلمانوں کے تعلقات کی اساس؛ لاالہ الااللہ	سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ
☆چہروں کی نہیں، کفریہ نظام کی تبدیلی مقصود ہے!	قاری عبدالہادی
☆ من لی بھذا الخبیث؟ (کون ہے جو میری حُرمت کی خاطر اس خبیث سے نمٹے؟)	محمد مثنیٰ حسان
☆جہاد فی سبیل اللہ کے اساسی مقاصد	محمد مثنیٰ حسان
☆مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟	شیخ احمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ
☆استاد المجاہدین؛ استاد یاسر کے ساتھ ادارۂ حطین کی گفتگو	مترجم: محمد مثنیٰ حسان
☆اور فتح کی خبریں آنے لگیں!	قاری عبدالہادی
☆درسِ حدیثِ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ	شیخ ابوعبداللہ حفظہ اللہ

زیرِ طباعت

☆حکمرانوں کی قربت سے بچو!

(امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "ما رواہ الأساطین في عدم المجيء إلى السلاطين" کا اردو ترجمہ) مترجم: مولانا عبیدالرحمٰن

......ادارۂ حطین کی تمام مطبوعات اپنے قریبی کتب خانوں سے طلب کی جاسکتی ہیں!......

’’گیارہ ستمبر سے اب تک کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو اسلام اور مسلمانوں سے صلیبی مغرب کی نفرت میں ایک برق رفتار ’’ارتقاء‘‘ نظر آرہا ہے۔ اس رات نشانے پر اگر امیر المومنین ملاّ محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ اور شیخ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ تھے تو اب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی، براہِ راست نصرانی بغض و عناد کی زد میں ہے۔ پہلے اگر ’’دہشت گرد‘‘ (مجاہدین) خطرہ تھے تو اب ہر ’’انتہا پسند‘‘ (دین دار مسلمان) بھی ایک مسئلہ ہے، گیارہ ستمبر کی رات اہلِ مغرب کا مسئلہ صرف ’’جہاد‘‘ تھا لیکن اب انھیں اسکارف بھی ایک ہتھیار نظر آرہا ہے۔ غرض یہ کہ اب وہ مسلمانوں سے بڑھ کر ان کے ایمان اور طاقت کے سرچشموں پر حملہ آور ہو چکے ہیں۔ فی الجملہ یہ جنگ اسلام اور اسلامی تہذیب کے جملہ مفاہیم کو مسخ کرنے کے لیے برپا کی گئی ہے‘‘۔